# کارِ نبوت کی گراں باری اور نو خیز ریاستِ مدینہ میں انسدادِ جرائم کی نبوی حکمتِ عملی کے مظاہر

# Demonstrations of the Prophetic Strategy of Anti-Crime in the New and Successful State of Medina

**Anwar ul Haq**
Ph.D. Scholar
Dept. of Islamic Learning,University. of. Karachi:
anwarulhaqabbasi304@yahoo.com

**Dr. M. Arif Khan Saqi**
Associate Professor
Dept. of Islamic Learning, University of Karachi:
maksaqi@uok.edu.pk

**Abstract**

The Prophet's era, whether before or after the proclamation of Prophethood, in all circumstances, the Holy Prophet took many practical steps for the establishment of peace, which are mentioned in detail in the books of *Sirah*. Efforts have been made to eliminate all kinds of crimes. Because where there is an abundance of crime, the society suffers from political, social, economic, societal and chaos which destroys the integrity of the region. In such a situation, science and art, elements of development, people with high power cannot flourish and every member of the society is in a state of panic and defeat and their abilities are destroyed and man becomes mentally ill. This is an analytical study that is based on secondary sources; books, article and online sources. Islam is based on nature and in every respect, it does not cause of stagnation in the development of science and art, and in the promotion of the highest values of society, economy, sociology and human life. It then provides an effective and positive strategy to eliminate the causes that hinder developmental elements. Islam is the religion that has enlightened man with the values of society. Crimes prove to be detrimental to the values of society, so Islam wants to counter such causes from the very beginning.

**Keywords:** Islam, Prophethood, Crime, Integrity, Enlightenment, Prophet Mummad's (PBUH) Strategy, Criminal Reformation

کوئی بھی سماج ہو یا معاشرہ، صرف اَمن و سلامتی اور عافیت کے سائے میں ہی سکون اور اطمینان کا سانس لیتا، پنپتا، پروان چڑھتا ہے۔ اور اِسی راہ پر چل کر ہی وہ ترقی و سربلندی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اِس کے بغیر سکون و آسودہ حالی کا تصور بھی محال ہے۔

خواہ کوئی بھی معاشرہ ہو، جرائم اُس کو دیمک کی طرے اندر ہی اندر چاٹ کر کھوکھلا کر دیا کرتے ہیں۔ اور پھر زیادہ دیر نہیں گزرتی کہ وہ معاشرہ خواہ کتنا ہی ترقی یافتہ اور مضبوط ہی کیوں نہ ہو انہدام اور معدومی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ گلی محلے اور شہروں و بازاروں کے جرائم سے معاشرتی و سماجی، معاشی و اقتصادی، اخلاقی و سیاسی امن تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ فساد اور بدامنی ایسے مضر عناصر ہیں کہ معاشرہ کو رُو بہ زوال کر کے اِس کی سالمیت کو تباہی و بربادی کی طرف دھکیل دیا کرتے ہیں۔

بدامنی و بے چینی اور خوف و ہراس کی فضاؤں میں علوم وفنون، تعمیری جذبے، ترقیاتی عناصر اور بلند تر اخلاقی و سماجی اقدار فروغ پذیر نہیں رہتیں۔ اِن چیزوں کا فروغ معاشرہ کے لیے وہی اہمیت رکھتا ہے جو ہمارے جسم کی صحت کے دورانِ خون کی اہمیت ہے۔ جب کسی معاشرے کے افراد بے جا خوف وہراس اور مغلوبیت کی سی کیفیت میں رہنے اور سمجھوتا کی بنیاد پر جینے لگتے ہیں تو اُن کی تخلیقی صلاحتیں دم توڑنے لگتی ہیں۔ اِس ابتلاء سے استعدادِ کار تباہ ہو جاتی ہے۔ اورانسان نفسیاتی مریض بن جاتا ہے۔ پھر وہ اپنی روز مرۃ ضروریات کی تکمیل سے بھی قاصر رہتا ہے تو حیاتِ اجتماعی مزید مشکلات کے بھنور میں پھنس جاتی ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری ہے:

" اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ"[1]

ترجمہ: تو کیا اِن لوگوں کو سمجھ نہیں آئی کہ ہم نے ہی حرم کو جائے اَمن بنا رکھا ہے، اور حالت یہ ہے کہ اِس کے بیرونی اطراف سے لوگ اُچک لیے جاتے ہیں، تو کیا یہ لوگ باطل پر ہی یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا انکار ہی کرتے ہیں۔

یہ آیۂ کریمہ بدامنی و بے چینی کا ایک جامع نقشہ پیش کرتے ہوئے بتاتی ہے حدود حرم میں مکمل اَمن واَمان کا دور دورہ تھا۔ لوگ یکسوئی کے ساتھ اپنے روز مرّہ میں مصروفِ عمل رہا کرتے تھے۔ کسی کو کوئی خوف یا ڈر کبھی اُن کے اعصاب کے اُوپر سوار ہی نہیں ہوا کرتا تھا۔ جبکہ حدودِ حرم سے باہر کا عالم یہ تھا کہ لوگ ہمہ وقت اِسی خوف و دہشت کے زیرِ سایہ جیتے تھے کہ نہ معلوم کب کوئی اُن کو اُچک لے گا۔ اُن کو اُن کی عزت، جان اور مال سے محروم کر دے گا؟

---

[1]۔ العنکبوت:67

Al-Ankabut: 67

اسلام مکمل طور پر اپنی ساخت میں دینِ فطرت ہے۔ یہ انسانی ساخت و بناوٹ، ضروریات و احتیاجات پر کامل نگاہ رکھتا ہے۔ لہٰذا ہر اُس عمل کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو حیاتِ اجتماعی کی مشکلات میں کمی کا باعث ہو یا اجتماعی ضمیر کے موافق ہو۔ اور ہر اُس عمل کی نفی کرتا ہے جو کسی بھی معنی میں حیاتِ اجتماعی کی مشکلات میں اضافہ کا باعث بن سکتا ہو۔ اِس لیے یہ دینِ فطرت ہر ماحول و معاشرے میں اپنی نگاہیں اِس امر پر مرکوز رکھتا ہے کہ لوگوں کو ہر اعتبار سے اَمن عطا کرے اور لوگ پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ اپنے روز مرّہ کے جملہ کام کچھ اِس طور سر انجام دینے کے لائق ہو سکیں کہ اُن کے اُوپر کسی طرح کا کوئی خوف یا دہشت سوار نہ ہو۔ یہی وہ صورتحال ہے جب ایک انسان بے خوف ہو کر اپنی تمام تر توانائیاں اپنے کسی بھی عمل پر صرف کرنے کے لائق ہو سکتا ہے۔ کسی بھی طرح کے خوف میں نماز تک کی ادائیگی ممکن نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے حالت جنگ میں نمازِ خوف ادا کرنے کی ایک غیر معمولی تجویز دی ہے۔ ارشاد باری ہے:

" واذا كنت فيهم فاقمت لهم الصلوة فلتقم طآئفة منهم معك وليأخذوا اسلحتهم فاذا سجدوا فليكونوا من ورآئكم ولتأت طآئفة اخرى لم يصلوا فليصلوا معك وليأخذوا حذرهم واسلحتهم ودّ الذين كفروا لو تغفلون عن اسلحتكم وامتعتكم فيميلون عليكم ميلة واحدة ولا جناح عليكم ان كان بكم اذى من مطر او كنتم مرضى ان تضعوا اسلحتكم وخذوا حذركم ان الله اعدّ للكفرين عذابا مهينا- فاذا قضيتم الصلوة فاذكروا الله قياما وقعودا وعلى جنوبكم فاذا اطمأننتم فاقيموا الصلوة ان الصلوة كانت على المؤمنين كتبا موقوتا "[2]

ترجمہ: جب آپ (ﷺ) ان کے درمیان ہوا کریں اور ان کے لئے آپ نماز کھڑی کیا کریں تو ایسا ہو کہ اِن کی ایک جماعت آپ (ﷺ) کے ساتھ ہتھیار بند پہرے پر کھڑی رہا کرے، اور اُن کو چاہیے کہ وہ اپنے ہتھیار پکڑ لیا کریں، پھر جب یہ سجدہ کر لیا کریں تو یہ آپ (ﷺ) کے پیچھے سے ہٹ جایا کریں، اور چاہیے کہ دوسرا گروہ آجایا کرے جس نے نماز نہیں پڑھی تو اُس کو آپ کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے، اور ہونا یہ چاہیے کہ یہ لوگ اپنے بچاؤ اور اپنے اسلحے پر دھیان مرکوز رکھا کریں، کفار کی دلچسپی یہ ہے کہ کہیں تم لوگ اپنے اسلحہ و اپنے مال و متاع سے غافل ہو جاؤ تو پھر وہ تم لوگوں پر یکبارگی ہلّہ بول دیں، اور اگر تم لوگوں کو بارش سے تکلیف درپیش ہوا کرے یا تم لوگ بیمار ہوا کرو تو تم لوگوں کے اُوپر سے بارِ گناہ باطل و معطّل ہے کہ تم لوگ اپنے ہتھیار ہاتھوں سے رکھ دیا کرو، اور اپنے بچاؤ پر

[2]۔ النسآء:3-102

Al-Nisa: 102-3

دھیان رکھا کرو، بلاشبہ اللہ نے کفّار کے لیے توہین آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے، تو پھر جب تم لوگ نماز پوری کر لیا کرو تو پھر اللہ کا ذکر کیا کرو قیام و نشست کی حالت میں اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے، تو پھر جب تم لوگ مطمئن ہو جایا کرو تو نماز قائم کیا کرو، بلاشبہ نماز مؤمنین کے اُوپر بلحاظِ وقت ضبطِ کتابت میں لا کر لازم کر دی گئی ہے۔

علوم وفنون اور معاشرت و معیشت اور سماجیات میں ترقی و سربلندی اور انسانی زندگی کو اعلیٰ و ارفع انسانی اقدار سے ہم آہنگ کرنے والے عناصر کو بہر طور اُسی وقت فروغ ملے گا جب انسان بے خوف ہو کر اپنے عمل پر یکسو ہو گا۔ کوئی بھی آدمی اپنی معیشت و معاشرت کے روز مرّہ فروغ میں کسی بھی قسم کا جمود اور تعطل کسی صورت نہیں چاہتا۔ اِس لیے لوگوں کے سر نااہلی و ناکامی کا الزام دینا درست عمل نہیں ہے۔ کیونکہ لوگ بہت کچھ چاہتے ہوئے بھی کر نہیں پاتے۔ لہٰذا جو جو اسباب بھی شخصی و اجتماعی تعمیر و ترقی، سکون و آسودگی اور خوشی و خوشحالی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں اُن کے سدّباب کے لئے مؤثر و مثبت لائحہ عمل تیار کرنا اور اُس کے اُوپر کماحقّہٗ عملدرآمد کرنا ضروری ہے۔

یہ تمام دعاوی محض زبانی کلامی یا سنی سنائی باتیں نہیں ہیں۔ دنیا نے یہ عجیب نظارہ بچشم سر ملاحظہ بھی کیا ہے۔ عرب کے بے آب و گیاہ ریگ زاروں اور سنگلاخ پہاڑوں میں جہاں متعدد انسانی خوبیاں اور کمالات و خصائص بھی موجود تھے وہیں ان میں ایک بالا دست ریاستی نوعیت کے نظمِ اجتماعی کے فقدان کے باعث جرائم کی بھرمار بھی تھی۔ اور مزاج ایسے عادی ہو چکے تھے کہ جرائم باعث ندامت نہیں رہ گئے تھے۔ بلکہ ان کا سرِ عام اظہار ایک قابل فخر عمل بن چکا تھا۔ مگر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسانی درد و احساس اور ضمیر رکھنے والے افراد بھی قریب قریب ہر معاشرے میں ہمہ وقت موجود ہوتے ہیں۔ اگر یہ حرکت میں آجائیں تو صحت مند تبدیلیوں کی راہیں ہموار اور فضائیں ساز گار ہونے لگ جاتی ہیں۔ جزیرہ نمائے عرب بھی اِسی نوع کی بد نظمی کا شکار ضرور رہا ہے۔ مگر اِس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ ایک ایسے وقت میں، جب عرب دنیا کا بیشتر حصہ لوگوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کے لیے مقامی قوتوں کے باہم جنگ و جدال، بدامنی اور ایک دوسرے کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھنے کی وجہ سے غیر محفوظ ہو چکا تھا، کچھ لوگ ایسے بھی سامنے آتے رہے ہیں جنہوں نے اِس بدنامی و رسوائی اور اِس کے نتیجہ میں معاشرتی تباہی کا بروقت ادراک کر لیا۔ اور تبدیلیٔ حالات میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ عہدِ جاہلیت میں ایسی ہی بے اعتدالیوں کی روک تھام کے لئے ایک مستقل معاہدہ کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا۔ اِس معاہدہ کا بنیادی مقصد اپنے زیر اثر علاقہ کی حد تک ہر طرح کے ظلم و ناانصافی کا سدّباب کر دینا تھا۔ تاریخ میں

یہ معاہدہ حِلف الفضول کے نام سے مشہور ہوا ہے۔ اِس معاہدہ کی ایک اَور اہم اور قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ اعلانِ نبوت سے قبل ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی بنفس نفیس اُس مجلس معاہدہ میں شریک ہوئے تھے۔

عرب معاشرہ جس وقت جہالت سے مکمل طور پر لبریز تھا اسی دروان کوہِ صفا کی وادیوں سے ایک دلآویز صدا بلند ہوئی تھی۔ اِس صدا نے سب سے پہلے تو انسان کو اِس کے حقیقی شرف و وقار کا احساس دلاتے ہوئے لکڑی و پتھر سے بنے ہوئے بتوں کے آگے جبیں سائی کر کے اپنی آبرو کو خاک میں ملا دینے سے روکا تھا۔ یہ نبیٔ آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آواز تھی اور آپ ﷺ اللہ کے برگزیدہ رسول ہونے کا اعلان فرما رہے تھے۔ نبوت کی یہ صدا بلند ہوئی تو دراصل ہر طرح کی غیر انسانی سرگرمیوں کو ابتدائی تنبیہ موصول ہو گئی تھی۔ اب پیشہ ور مجرموں کے نشۂ جرائم کی مہلت ختم ہونے والی تھی۔

اعلانِ نبوت کے ساتھ ہی جب بے اعتدالی و بے راہ روی کے عادی لوگوں کو اِس مہلت کے خاتمہ کا اشارہ مل گیا تو مہم جوئی کا آغاز ہو گیا تھا۔ انہوں نے اپنے ہتھکنڈے آزمانا شروع کر دیئے تھے۔ دوسرے ہاتھ پر رسولِ کریم ﷺ نے پورے صبر و حوصلہ اور تحمّل و حکمت کے ساتھ سماج و معاشرت کی تطہیر و اصلاح کا عمل بھی جاری رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اِس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا کہ عادی لوگوں کے لیے فوری طور پر اصلاح قبول کر کے راہِ راست پر آ جانا بھی آسان نہیں ہوتا۔ عادتیں، جاتے جاتے ہی جاتی ہیں۔ آپ ﷺ نے تدریج پر مبنی حکمت عملی اختیار فرمائی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تائید و حمایت بھی اِسی تدریج پر مبنی حکمتِ عملی ہی کو حاصل رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم بھی یکبارگی کسی مرتب صحیفے کی شکل میں نازل نہیں ہوا ہے۔ بلکہ موقع بموقع اور حسبِ ضرورت ہی نازل ہوتا رہا ہے۔

آپ ﷺ کی اِس حکمتِ عملی کے مؤثر عناصر میں لوگوں کو غور و خوض اور سوچ بچار کی دعوت دینا بھی شامل تھا۔ جب لوگوں نے سوچنا شروع کیا تب اُن پر بے راہ روی کے مضر اثرات واضح ہوئے۔ اِس سے قبولِ اصلاح کا ملکہ پیدا ہوا۔ راست فکر شخصیات تو پہلے ہی مرحلے میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی تھیں۔ چنانچہ سماج و معاشرت کے چیدہ چیدہ لوگ بھی اِن کی صفوں میں تیزی سے شامل ہونے لگ گئے تھے۔ دراصل حیاتِ اجتماعی کی بے اعتدالیوں سے بھی لوگ اُکتا چکے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مخالفین کی ہر تدبیر و رکاوٹ کو ناکام بنا دیا۔ اس حکیمانہ طرزِ عمل اور فکر فردا میں تائید الٰہی کا عُنصر مسلسل حاوی رہا ہے۔ اور وحی الٰہی کی ہدایت اور پیغمبرانہ بصیرت نے اپنے تمام افعال کے باہمی ارتباط اور تسلسل کو کبھی ٹوٹنے ہی نہیں دیا۔ اور کسی بھی ماحول و معاشرہ سے جرائم کی بیخ کنی کے ناگزیر عناصر بھی یہی ہیں۔ تاہم ان جرائم کی مستقل روک تھام اور بظاہر نتائج کا حصول ابھی عام لوگوں پر مخفی تھا۔ اِن

حالات میں تاخیر سے آس ٹوٹنے لگتی ہے۔ اِس لیے ایسے اقدامات بھی ناگزیر تھے جو کسی کے حوصلہ کو پست ہی نہ ہونے دیں۔ چنانچہ رسولِ کریم ﷺ خود عام لوگوں میں مل جل جاتے اور اُن کا حوصلہ بڑھاتے۔ حتیٰ کہ اہم ترین مرحلوں پر بھی اُن کو اپنے شانہ بشانہ ہی رکھا کرتے تھے۔ اِس انداز سے ہر طرح کے سماجی و معاشرتی گناہ و جرم کو اس کی اصل بنیاد سے ختم کرنے کی حکمت عملی پر خصوصی طور پر کام جاری و ساری رہا ہے۔ اور حالاتِ جاریہ چونکہ ابھی اِس لائق ہی نہیں تھے کہ کوئی باقاعدہ ریاستی نظم و نسق قائم کیا جا سکتا، اِس لیے ہر شخص اپنے تئیں ذمہ دار تھا۔ اور ہر کوئی اپنی اپنی حدود میں مسلسل تگ و دو میں مصروف بھی رہا ہے۔

مکی حیاتِ طیّبہ میں ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ باقاعدہ نظم و نسق کے فقدان کے باعث استقرار و استحکام نہ ہونے کے برابر ہی تھا۔ مگر آپ ﷺ کی غیر معمولی قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت شمع رسالت کے پروانے بھی برابر آپ کے ساتھ مربوط تھے۔ سن دس نبوی ایک زیادہ مشکل سال ثابت ہوا ہے۔ اِس سال کو عامّ الحزن اِسی معنی میں قرار دیا گیا ہے کہ اِس میں دو بڑی شخصیات جن میں رسولِ کریم ﷺ کے عمّ محترم اور آپ ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ شامل تھیں، ایک معمولی وقفہ سے ہی انتقال فرما گئیں۔ گھر کے اندر اگر آپ ﷺ کی اہلیہ محترمہ آپ کی ہمدرد و مونس و غمخوار تھیں تو گھر سے باہر کے حالات میں آپ ﷺ کے عمّ محترم آپ کے لیے ڈھال بنے ہوئے تھے۔ ایک سماج و معاشرت کو جرائم پیشہ افراد کی ستیزہ کاریوں سے بچانے کی تگ و دو میں اِن دونوں بڑی شخصیات کی حمایت بے پناہ اہمیت کی حامل بھی تھی۔ چنانچہ اَب حالات کی نئی کروٹ کے باعث مکہ مکرمہ کا ماحول آپ ﷺ کے مزید یہاں قیام کے لیے سازگار نہیں رہا تھا۔

عہدِ جاہلیت کے دیئے ہوئے دستورِ حیات، جس پر نورِ ہدایت کا سایہ تک نہیں پڑا تھا، کے زیر سایہ کئی نسلیں اپنی اپنی زندگی کے سفر طے کر چکی تھیں۔ جزیرہ نما کے باسیوں نے بے راہ رَوی کے اِس عہدِ خدا فراموشی میں بیابانِ حیات میں جس سمت بھی قدم بڑھائے اور جو بھی لکیریں کھینچی تھیں اُن سے وابستگی اور اُنسیت کا عالم یہ تھا کہ وہی اِن کو روشن مستقبل کی طرف لے جاتی شاہراہِ حیات نظر آئی۔ وہ یہ بات سمجھنے سے بھی قاصر تھے کہ اِن خراب گزرگاہوں کے مقابل کوئی بہتر راہِ عمل بھی ہو سکتی ہے۔ اور جب لاقانونیّت کی عادت ہو جائے تو قانونِ حیات کی عملداری کے تصوّر سے بھی خوف ہی آتا ہے۔ چنانچہ مکہ مکرّمہ کے باسیوں کی اکثریت نورِ ہدایت سے بدستور دور ہی رہی۔ اِن حالات میں ناگزیر تھا کہ مکہ مکرمہ کی بجائے کوئی نیا مرکزِ دعوت و تبلیغ تلاش کیا جائے۔

دس نبوی کے آخری حصے میں آپ ﷺ کے سفر طائف کے نتیجے میں یہ بھی طے ہو چکا تھا کہ یہ مرکز طائف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قرعۂ فال یثرب کے نام نکلا۔ اور آپ ﷺ کے ایماء پر آپ کے جانثار ایک ایک کر کے

مدینہ طیبہ کی طرف کوچ کرنے لگ گئے۔ بالآخر تقریباً تیرہ برس کی شب و روز محنت کا ثمر مدینہ طیبہ منتقل ہو چکا تو آپ ﷺ نے بھی رخصتِ سفر باندھ لیا۔ اور اِس طرح مدینہ طیبہ کو آپ ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہو گیا۔ یہیں سے اِصلاحِ معاشرہ کی اُس پاکیزہ تحریک کو تنظیم و ترتیب ملی ہے جس نے عہدِ جاہلیت کی بے راہ رَوی کے نقوش مٹا کر انسدادِ جرائم جیسے ناممکن عمل کو ممکن بنا کر دکھا دیا تھا۔ خود رسولِ کریم ﷺ امن و اَمان کے تعلق سے فکر مند رہا کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ کے اِس اُسوۂ مبارکہ کے زیر اثر مدینہ طیبہ کے باشندے بھی اپنے ماحول کو جرائم سے پاک رکھنے کے معاملے مسلسل نگرانی کے عمل کو جاری و ساری رکھا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کسی غیر مانوس آواز کو سماعت فرمانے کے بعد بتنِ تنہا بھی اُس کی جانب روانہ ہو جایا کرتے تھے۔ بخاری کی روایت ہے:

"عَنْ انَس رضِی اللہ عنہ، قَالَ: کَانَ رسولُ اللہ صلَّی اللہ علَیہ و سلَّم احسن النَّاس و اَجود النَّاس و اَشجع النَّاس- قَالَ: و قَدْ فزِع اھل الْمدینۃ لَیلَۃ - سَمعوا صوتا- فتَلَقّھم النَّبِیُّ صلَّی اللہ علَیہ و سلَّم علی فرس لّاَبِی طَلْحۃ عُرِی وھو مُتَقَلِّدٌ سَیفہ - فَقَالَ: لَم تراعوا، لَم تراعوا- ثُمَّ قَالَ رسولُ اللہ صلَّی اللہ علَیہ وسلَّم : وَجَدتہ بَحرایعنی اَلْفرس"۔ [3]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے بڑھ کر خوبصورت تھے، سب سے بڑھ کر فیاض تھے اور سب سے بڑھ کر دلیر و بہادر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک رات اہلِ مدینہ سہم گئے۔ انہوں نے ایک بھیانک آواز سنی تھی۔ تو نبی ﷺ نے حضرت ابو طلحہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر اور اپنے گلے میں تلوار آویزاں کر کے اُس کا پیچھا کیا۔ اور پھر واپس آ کر فرمایا: مت ڈرو! مت ڈرو! پھر آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اُس کو بحر یعنی گھوڑا پایا ہے۔

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اہلِ مدینہ جس آواز پر چونک پڑے تھے، اُن کے سنبھلنے سے قبل ہی آپ ﷺ اُس کے تعاقب میں تشریف لے جاتے ہیں اور پھر واپسی پر اہل مدینہ کو تسلی دیتے اور اطمینان دلاتے ہیں کہ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اِس کا ایک لازمی اَثر یہ بھی ہو گا کہ لوگوں کے اندر بہادری اور دلیری پیدا ہو گی اور وہ بھی ہر غیر مانوس آواز تک کی بلا جھجک پیچھا کیا کریں گے۔ جب یہ تاثر عام ہو جائے تو جرائم پیشہ عناصر بھی اُسی معاشرے کا حصہ ہی ہوتے ہیں۔ بلکہ بہت مرتبہ تو وہ لوگوں کے لاپروائی اور غفلت سے فائدہ اُٹھایا کرتے ہیں۔ اَندر ہی اَندر اُن

---

[3]۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، 1961، حدیث نمبر 3040،(1/27،426)

Bukhari, Muhammad Bin Ismail, Sahih Bukhari, Karachi, Ancient Library, 1961,Hadees #3040,(426،27/1)

میں ایک تبدیلی یہ رونما ہو گی کہ کسی بھی جرم کے ارتکاب سے پہلے وہ ہزار بار سوچا کریں گے۔ کیونکہ پورا سماج بیدار ہے اور ہلکی سی آواز بھی اِس کے اندر اتنا بڑا ارتعاش پیدا کر سکتی ہے کہ کوئی بھی جرم کرنے کے بعد بھاگ جانے یا بچ نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ یہ ایک نفسیاتی اثر ہے۔ اور معاشرے یا اُس کے کسی بھی فرد حتی کہ کمزور ترین لوگوں کے خلاف کسی بھی اقدام سے باز رکھنے کے لیے کافی ہے۔ قیادت اگر اِس حد تک بے لوث ہو اور بے خوف ہو کر بھی اپنے ماحول و معاشرے میں اَمن و اَمان بر قرار رکھنے کے لیے عملی طور پر خود بھی شریک ہو تو اُس سماج میں شر پسند عناصر کو یقیناً دَم مارنے کی مجال بھی نہیں ہو سکتی۔ آپ ﷺ کے اِسی حکیمانہ طرزِ عمل کا نتیجہ تھا کہ اُس سماج کے ہر فرد کی آنکھیں اور کان کھلے رہتے تھے اور موقع پرست عناصر اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل میں کامیاب ہی نہیں ہو سکتے۔ لامحالہ ایک عرصے تک اگر یہی کیفیت کسی بھی سماج میں قائم و باقی رکھی جا سکے تو مجرمانہ سرگرمیوں پر انحصار کرنے والے عناصر کے اپنے حوصلے ہی اتنے پست ہو جائیں گے کہ کوئی بھی غلط حرکت کرنے کی ہمت و جسارت تک نہیں کر سکیں گے۔ جزیرہ نما میں ایک عام آفت یہ بھی تھی کی مختلف قبائل اپنے اطراف واکناف میں آباد دیگر قبائل پر غارت گری کیا کرتے تھے اور اُن کے مویشی وغیرہ لوٹ کر فرار ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت بخاری میں موجود ہے:

خَرَجْتُ مِنَ الْمَدِينَةِ ذَاهِبًا نَحْوَ الْغَابَةِ حَتَّى إِذَا كُنْتُ ، بِثَنِيَّةِ الْغَابَةِ لَقِيَنِي غُلَامٌ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قُلْتُ وَيْحَكَ مَا بِكَ قَالَ أُخِذَتْ لِقَاحُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ مَنْ أَخَذَهَا قَالَ غَطَفَانُ وَفَزَارَةُ فَصَرَخْتُ ثَلَاثَ صَرَخَاتٍ أَسْمَعْتُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا يَا صَبَاحَاهْ يَا صَبَاحَاهْ ثُمَّ انْدَفَعْتُ حَتَّى أُلْقَاهُمْ وَقَدْ أَخَذُوهَا فَجَعَلْتُ أَرْمِيهِمْ وَأَقُولُ أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ فَاسْتَنْقَذْتُهَا مِنْهُمْ قَبْلَ أَنْ يَشْرَبُوا فَأَقْبَلْتُ بِهَا أَسُوقُهَا فَلَقِيَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الْقَوْمَ عِطَاشٌ وَإِنِّي أَعْجَلْتُهُمْ أَنْ يَشْرَبُوا سَقْيَهُمْ فَابْعَثْ فِي إِثْرِهِمْ فَقَالَ " يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ مَلَكْتَ فَأَسْجِحْ إِنَّ الْقَوْمَ يُقْرَوْنَ فِي قَوْمِهِمْ " [4]

ترجمہ: فرماتے ہیں میں مدینہ طیبہ سے غابہ کی راہ پر باہر نکلا۔ جب میں غابہ کے ٹیلوں کے پاس ہی تھا کہ میں نے عبد الرحمن بن عوف کے ایک غلام کو دیکھ لیا۔ میں نے اُس سے پوچھا تیرا بھلا ہو جائے تیرے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے؟ اُس نے کہا نبیٔ کریم ﷺ کی دودھیل اونٹنیاں چھین لی گئی ہیں۔ میں نے پوچھا کسی نے چھینی ہیں؟ اُس نے بتایا

[4]۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، حدیث نمبر 3041، (427/1)

Bukhari, Muhammad Bin Ismail, Sahih Bukhari,Hadees# 3041 (426،27/1)

کہ غطفان و فزارہ کے لوگوں نے۔ اِس پر میں تین بار کہہ کر پورے زور سے آواز لگائی جو مدینہ کے در و دیوار کو سنائی دی۔ پھر میں نے اونٹنیاں چھیننے والے ڈاکوؤں کا پیچھا کیا حتیٰ کہ اُن کو جالیا۔ میں نے تیر برسانا شروع کر دیئے۔ اور ساتھ ہی یہ کہتا جاتا کہ میں اکوع کا بیٹا سلمہ ہوں۔ اور آج کا دِن کمینوں کی موت کا دن ہے۔ تو میں نے قبل اِس کے کہ وہ لوگ پانی پیتے، انہیں واپس حاصل کر لیا۔ پھر میں اُن کو ہانک کر لا رہا تھا کہ نبیٔ کریم ﷺ سے راستے میں ملاقات ہو گئی۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ لوگ پیاس کے مارے ہیں اور میں نے اُن کو پانی تک پینے نہیں دیا ہے لہٰذا اُن کے پیچھے کچھ لوگوں کو روانہ فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اکوع کے بیٹے نرمی سے کام لو! وہ لوگ اپنی قوم میں ضیافت اُتار رہے ہیں۔

حکمت و دانش کا اقتضا یہ ہے کہ کسی کا کوئی بھی ارتکابِ جرم، جرائم کے ایک تسلسل کا پیش خیمہ نہ بنے۔ اگر تعاقب میں اُن لوگوں کا جانی نقصان ہوتا تو عداوت و دشمنی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی جانب سے صبر و تحمل کی تلقین میں مضمر حکمت و دانش ہی واحد عنصر تھا جس نے مدینہ طیبہ کو ہر طرح کے جرائم سے محفوظ اور پاک کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے اِن اقدامات کو مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے کچھ ہی عرصہ میں ایک واضح دستوری شکل بھی دے دی تھی۔ میثاق مدینہ کے نام و عنوان سے اہلیان مدینہ کے مابین ایک جامع عمرانی معاہدے حتمی شکل دے کر اِس کو اِس نوخیز ریاست کا ایک باقاعدہ دستور بنا دیا تھا۔ اِس کا ایک سیدھا اور آسان مطلب یہ ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے سب سے پہلے لوگوں میں جرائم کے خلاف ذہن سازی فرمائی ہے۔ جرائم کے ضرر و زیاں کا باوَر کروایا ہے۔ جب لوگوں کی طبیعتوں میں اِن حرکاتِ شنیعہ کے تعلق سے ایک تنفر و بیزاری پر مبنی عناصر پیدا ہو چکے تو میدانِ عمل میں نہایت صبر و استقامت کے ساتھ لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا اور کھڑا کیا ہے۔ جب جرائم کے بیخ کنی کے عملی حالات پیدا ہو گئے تو پھر اُن کو دستوری تحفظ عطا کر دیا گیا ہے۔ میثاقِ مدینہ اِس دعویٰ کا ایک کھلا ثبوت ہے۔ آپ ﷺ نے اِس صحیفہ میں مدینہ کی مختلف آبادیوں اور محلوں کے رہنے والوں کے سر ذمہ داریاں عائد فرمائی ہیں۔ اِس دستاویز میں ہمیں آپ ﷺ کا اِسمِ گرامی بھی نظر آتا ہے۔ اور متصلاً بعد نبی کا کلمہ بھی آیا ہے۔ لہٰذا یہاں سمجھنا چاہیئے آپ ﷺ کے عہد میں یہاں کوئی دوسرا نبی تو موجود ہی نہیں تھا کہ اِن دو کلمات کو یکے بعد دیگرے لا کر کسی التباس کا دفیعہ مقصود ہوتا۔ اِس لیے اِس سے مقصود فقط یہی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات گرامی بحیثیت والیٔ ریاست اور آپ ﷺ کے منصبِ نبوت دونوں کو یکے بعد دیگرے بیان کرتے ہوئے اِس دستاویز کی ضرورت و اہمیت اور اِس کی افادیت کو ہی اجاگر کیا گیا ہے۔ ابن ہشام راوی ہیں۔ لکھتے ہیں:

"هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ ﷺ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قُرَيْشٍ وَّ يَثْرِبَ وَ مَنْ تَبِعَهُمْ فَلَحِقَ بِهِمْ وَ جَاهَدَ مَعَهُمْ- اَنَّهُمْ اُمَّةٌ وَّاحِدَةٌ مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ- اَلْمُهَاجِرُوْنَ مِنْ قُرَيْشٍ عَلٰى رِبْعَتِهِمْ- يَتَعَاقَلُوْنَ بَيْنَهُمْ وَهُمْ يَفْدُوْنَ عَانِيَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ الْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ"[5]

ترجمہ: یہ کتاب نبیٔ مکرّم محمد ﷺ کی طرف سے قریش اور یثرب سے تعلق رکھنے والے مؤمنین و مسلمین کے مابین ہے۔ اور اُن کے مابین بھی ہے جو اِن کی اتباع میں آئیں اور اِن سے آملیں اور اِن کے ساتھ مل کر جدوجہد میں حصہ لیں۔ بلاشبہ باقی لوگوں سے ہٹ کر یہ ایک امّتِ واحدہ ہیں۔ قریش سے تعلق رکھنے والے مہاجرین اپنی بستی کے حدود اربعہ پر نگران و محافظ اور پہریدار ہوں گے۔ یہی لوگ باہم مل کر اپنی دیت ادا کریں گے۔ اپنے قیدی کو چھڑانے کے لیے دستور کے تحت اور مؤمنین کے مابین انصاف کی بنیاد پر فدیہ ادا کیا کریں گے۔

اِس طرح سب سے پہلے مہاجرین کے سر ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ یہ لوگ اپنے علاقے کی دیکھ بھال کے ذمہ دار ہوں گے۔ اور کسی بھی اونچ نیچ کے معاملے میں جوابدہ بھی یہی ہوں گے۔ حتی کہ دیت کی ادائیگی اور اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے معاملے میں بھی یہ دوسروں کی دیکھنے کی بجائے اپنی حدود اربعہ میں موجود جمعیّت پر ہی انحصار کیا کریں گے۔ اور باہم مل کر ہی حیاتِ اجتماعی کی اِن مشکلات کا سامنا بھی کیا کریں۔ یہی نہیں بلکہ یہ دستور تحریری طور پر نام بنام ہر مسلمان محلہ کے رہنے والوں کے فرائض اور ذمہ داریوں کو واضح الفاظ میں متعین کر دیتا ہے۔ اِس دستور میں جن مسلمان بستیوں کے نام لیے گئے ہیں وہ یہ ہیں: محلۂ بنو عوف، محلۂ بنو ساعدہ، محلۂ بنو الحرث، محلۂ بنو جشم، محلۂ بنو النجار، محلۂ بنو عمرو بن عوف، محلۂ بنو النبیت، محلۂ بنو الاوس۔[6]

اِس داخلی نوعیت کے سماجی ارتباط کو یقینی بنا لینے کے بعد داخلی اَمن و استحکام کے لیے بھی اِس دستور میں واضح دفعات شامل کی گئی ہیں۔ اِس تعلق سے حسبِ ذیل دفعہ بہت اہمیت کی حامل ہے:

"وَ اَنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ الْمُتَّقِيْنَ عَلٰى مَنْ بَغٰى مِنْهُمْ اَوِ ابْتَغٰى دَسِيْسَةَ ظُلْمٍ اَوْ اِثْمٍ اَوْ عُدْوَانٍ اَوْ فَسَادٍ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنَّ اَيْدِيَهُمْ عَلَيْهِ جَمِيْعًا وَّ لَوْ كَانَ وَلَدَ اَحَدِهِمْ"۔[7]

---

[5]۔ ابن ہشام، عبد الملک، السیرۃ النبویۃ بر حاشیۂ الروض الانف، ملتان، عبد التواب اکیڈمی، بلا سن طباعت، (16/2)

Ibn Hisham, Abd al-Mulk, Al-Sirat al-Nabawiyyah Hashia al-Rawz al-Anaf, Multan, Abdul Tawab Academy, Balasan Tabaaat, (16/2)

[6]۔ ایضاً

Abid.

[7]۔ ایضاً، (17/2)

ترجمہ: اور یہ کہ تمام پرہیز گار مؤمنین ہر اُس شخص پر بالادست ہوں گے جو بغاوت کرے یا فریب کاری سے ظلم و جبر کرے یا کسی نوع کا گناہ کرے یا کسی بھی نوع کی تعدّی کا ارتکاب کرے یا مؤمنین کے باہم فساد پیدا کرے۔ اور بلاشبہ باہمد گر متحد ہو کر تمام مؤمنین کے ہاتھ ایسے کردار پر پڑیں گے بھلے وہ انہی میں سے کسی کا بیٹا ہی ہو۔

صاف طور سے دیکھا جا سکتا ہے کہ داخلی طور پر نظم و نسق اور ضبط و انقیاد کی تمام ضرورتیں پوری کرتے ہوئے مدینہ طیبہ کے تمام باشندوں کو تسبیح کے دانوں کی طرح ایک دوسرے سے جوڑ کر پوری آبادی کو منظم و مربوط کر دیا گیا تھا۔ بلاشبہ یہ ایک بنیان المرصوص کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ کیڑے مکوڑے اپنا گھر وہاں بناتے ہیں جہاں دیوار میں کوئی دراڑ ہوتی ہے۔ یہاں دراڑ تو کیا مہین سا کوئی بال بھی نظر نہیں آتا۔ یہ دستور دیگر بستیوں کے معاملے میں بھی اِسی طرح کی دفعات اپنے اندر رکھتا ہے۔ لہٰذا پورے مدینہ طیبہ کی کل آبادی کو اِس کے اوپر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ داخلی قوت و استحکام میسر آجائے تو جرائم پیشہ عناصر کے لیے کسی جرم کے ارتکاب کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔ اور اگر پھر بھی کوئی عادت سے مجبور ہو کر کچھ کر ہی گزرتا ہے تو رنگے ہاتھوں دَھر لیا جاتا ہے۔ اور بلا تفریق و امتیاز کیفر کردار کو پہنچ کر دوسروں کے لیے باعث عبرت و نصیحت بن جاتا ہے۔ مدینہ طیبہ کو جرائم سے مکمل طور پر پاک کرنے کے لیے رسولِ کریم ﷺ کا یہ اُسوۂ مبارکہ آج بھی پوری طرح سے قابل عمل اور لائقِ تقلید ہے۔

ایک باقاعدہ ریاست کی نیو اُٹھانے کے بعد رسولِ کریم ﷺ کے پاس دینی و ریاستی دونوں اقتدار یکجا ہو گئے تھے۔ قرآنِ کریم کی آیاتِ مشاورت کا تعلق آپ ﷺ کے ریاستی اقتدار کے ماتحت جملہ اُمور و معاملات کے ساتھ خاص ہے۔ دینی اقتدار میں کسی اُمّتی کو کسی مشورہ کی کوئی مجال ہی نہیں ہے۔ اِس لیے اُسوۂ کریمہ کے مطالعہ کے دوران ہمیں بطورِ خاص اِس فرق کو ملحوظ رکھنا ہو گا۔ ورنہ درست نتائج تک پہنچنا یقیناً ناممکن ہو جائے گا۔ مدینہ طیبہ میں بھی نزول وحی و تکمیل دین کا عمل جاری و ساری رہا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ریاستی اُمور و معاملات کی انجام دہی بھی ہوتی رہی ہے۔ ایک رشتہ صاحبِ شریعت رسول اور امتی کا ہے تو دوسرا رشتہ ایک فرمانروا اور رعایا کا ہے۔ اِن دونوں کو الگ الگ اور ایک دوسرے سے ممتاز کیے بغیر سمجھنا ایک ناممکن عمل ہے۔ اِسی طرح بحیثیت ایک صاحبِ شریعت رسول بھی سماجی و معاشرتی اصلاح و تعمیر آپ ﷺ کے وظائف کا حصہ ہے۔ اور بحیثیت امیر و منتظمِ ریاست بھی یہ وظیفہ آپ ﷺ کے عہد میں آپ ﷺ کے ہی سپرد تھا۔ اِن دونوں حیثیتوں کے ساتھ آپ نے جو بھی فرائض ادا فرمائے ہیں اُن کی اپنی اپنی حیثیت و نوعیت ہے۔ اور دونوں میں فرق و امتیاز ضروری ہے۔ کارِ نبوت اپنی جگہ بہت ہی

Abid,(17/2)

گراں بار ہے۔ اور کسی مملکت کا قیام اور اُس کا انتظام و انصرام بجائے خود ایک بڑی بھاری ذمہ داری ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی اِسی دوسری حیثیت میں مدینہ طیبہ کے بکھرے ہوئے اور پراگندہ طبع و زبوں حال معاشرے کو ایک باقاعدہ ریاست کی شکل دے کر اِس کو قوت و استحکام بخشا ہے۔ اور اِس کے داخلی و خارجی ہر دو محاذوں پر آپ ﷺ نے بے نظیر و فقید المثال کامیابی حاصل کی ہے۔ داخلی محاذ پر نوخیز ریاستِ مدینہ کو قوت و استحکام عطا کرنے اور اَمن و اَمان کے قیام کے تعلق سے آپ ﷺ کے اقدامات کی ایک جھلک ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ ذیل میں چند منتخب واقعات پیش کیے جارہے ہیں جو اِن اقدامات کے رُخ و رجحان اور قوت و شدت کی عکاسی کرتے ہیں۔

سب سے اہم اور بنیادی بات یہ تھی کہ عدلِ اجتماعی کوئی آپ کے پاس مقبوضہ شے نہیں تھی۔ یہ ایک معروف شے تھی۔ اور بے لاگ عدل کا اقتضاء یہ تھا کہ اِس پر کسی کی بھی اجارہ داری نہ ہو۔ آپ ﷺ کے عہد میں ایک واقعہ یہ پیش آیا ہے تھا کہ بنو عنبر نے ناحق خون کیا اور نقل مکانی کر کے اپنے ننھال بنو خزاعہ میں جا بسے تھے۔ قانون شکنی اور روپوشی کیا مطلب یہ ہے کہ اگر اِن کو ٹھہرے میں نہ لایا جاسکے تو کل دوسرے شر پسند عناصر بھی کھلم کھلا سرکشی اور بدمعاشی پر اُتر آئیں گے۔ اور مدینہ منورہ کے اَمن و اَمان کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیں گے۔ دوسرے ہاتھ پر اِس قانون شکنی کے ساتھ بنو عنبر نے ایک اَور بڑی غلطی بھی کر دی تھی۔ ہوا کہ آپ ﷺ نے بنو خزاعہ کی طرف اپنا عامل روانہ کیا۔ وہ جب صدقات جمع کر چکے تو بنو عنبر نے یلغار کے سب لوٹ لیا۔ عامل بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو گیا ۔ اور شکایت پیش کی۔ آپ ﷺ نے حضرت عیینہ بن حِصن کو ایک سو ستر افراد کے ساتھ سرکوبی کے لیے روانہ فرما دیا۔ حضرت عیینہ کے پہنچنے پر بنو عنبر روپوش ہو گئے۔ حضرت عیینہ اُن کے نو مردوں گیارہ عورتوں اور کچھ بچوں کو گرفتار کر کے مدینہ طیبہ لے آئے۔ بنو عنبر نے یہ دیکھا تو اُن کے ستر افراد جن میں اقرع بن حابس اور اعور بن بشامہ عنبری، جو عمر کے لحاظ سے سب میں چھوٹے بھی تھے، شامل تھے مدینہ آ پہنچے اور شور مچا دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے اور اپنے درمیان فیصلہ دہی کے لیے کسی کو حَکَم مقرر کرو۔ اُن لوگوں نے اصرار کیا کہ انہی لوگوں کے ساتھ آنے والے اعور بن بشامہ کو حَکَم مقرر کیا جائے۔ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"قَالُوْا: یا رَسُوْلَ اللہ ! اَلْاَعْور بن بشامۃ- فَحَکَّمہ رسولُ اللہ ﷺ - فَحکَم اَنْ یُّفْدٰی شَطْر وَّ یعتق شَطْر"۔[8]

---

[8]۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، ابو الفضل، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، تحقیق: ڈاکٹر عبد اللہ بن عبد المحسن ترکی، قاہرہ، مرکز ہجر للبحوث، 2008ء، (1/95-194)

ترجمہ: انہوں نے تجویز دی کہ اعور بن بشامہ عنبری (بنو عنبر کے رفیق) کو حَکَم مقرر فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے اُن کو حکم مقرر فرما دیا۔ انہوں نے فیصلہ دیا کہ قیدیوں کے ایک نصف کا فدیہ لے لیا جائے اور دوسرے نصف کو یونہی آزاد کر دیا جائے۔

اِس نوع کے بالغ نظری اور حکیمانہ تدابیر پر مبنی اقدامات مدینہ طیبہ کے داخلی استحکام اور اَمن و سلامتی کی حقیقی روح اور جان تھے۔ بنو عنبر کے ہی ایک رفیق کو فیصلہ پر مامور کر دینا ایک بے خوف و بے لاگ عدل کا شاندار مظاہرہ ہے۔

دوسرے ہاتھ پر قانون شکنی اور روپوشی کے ساتھ جرم بالائے جرم کی اپنے وقتوں کی معروف سزا بھی یہی تھی۔ اِس سزا سے دوچار کر دینے کے بعد باقیوں کے لیے بہت ہی عمدہ پیغام چھوڑ دیا گیا ہے کہ قانون شکنی کرو گے تو گرفت میں بہر طور آؤ گے۔ چنانچہ حالات جب یہ ہوں تو بہت سے مکروہ عزائم لوگوں کے سینوں میں ہی گھٹ کر دم توڑ دیتے ہیں۔ اور عملی صورت میں کبھی رو پذیر ہی نہیں ہو پاتے۔ اِن سب پر مستزاد یہ کہ آئین و قانون میں کوئی ابہام یا سقم بھی موجود نہ ہو۔ حرابہ ک تعلق سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ"[9]

ترجمہ: بے شک اُن لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں کہ وہ قتل کئے جائیں یا سولی دے دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو جلاوطن ہی کر دیا جائے"۔

محمد جوناگڑھی کے ترجمۂ قرآن پر اپنے حواشی میں صلاح الدین یوسف اِس آیۂ کریمہ کے ذیل میں رقمطراز ہیں:

"یہ آیتِ محاربہ کہلاتی ہے۔ اِس کا حکم عام ہے۔ یعنی مسلمانوں اور کافروں دونوں کو شامل ہے۔ محاربہ کا مطلب ہے: کسی منظّم اور مسلح جتھے کا اسلامی حکومت کے دائرے میں یا اِس کے قریب صحرا وغیرہ میں راہ چلتے

---

Ibn Hajar Asqalani, Ahmad bin Ali, Abu al-Fazl, al-Asaba fi Tameez al-Sahaba, Research: Dr. Abdullah bin Abd al-Mohsen Turki, Cairo, Hajr Research Center, 2008,(1/194-95)

[9]۔المائدۃ:33

Al-Maidah: 33

قافلوں اور افراد اور گروہوں پر حملے کرنا۔ قتل و غارت گری کرنا۔ سلب و نہب، اغوا اور آبروریزی کرنا وغیرہ۔ اِس کی جو چار سزائیں بیان کی گئی ہیں (خلیفۂ وقت) کو اختیار ہے کہ اِن میں جو سزا مناسب سمجھے، دے۔"[10]

**خلاصہ بحث**

حاصل یہ کہ نوخیز ریاست مدینہ نے اسلامی اقدار کے فروغ کے ذریعے اپنی حدود میں جرائم پر قابو پائے رکھا ہے۔ نوخیزی و طفولیت کا ضعف اور بے سروسامانی بھی ریاستِ مدینہ کی گرفت کو مضبوط بنانے میں آڑے نہ آ سکے۔ اِس ضمن میں امثلۂ متذکرہ بالا سے اِس امر کا بخوبی اظہار ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ ریاستِ مدینہ نے بے خوف و بے لاگ عدل کو ہی نظم و نسق اور ضبط و انقیاد کے قیام کے لیے ذریعہ بنایا ہے۔ اور اِس پر مستزاد ریاستی قوت کی دھاک کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ کسی قانون شکن اور جرائم پیشہ شخص کے لیے واردات کے بعد بحفاظت بھاگ نکلنے کی راہیں بھی مسدود نظر آتی ہیں۔ کسی بھی خلافِ ضابطہ عمل کی روک تھام اِس طرح کے عزائم رکھنے والوں کی حوصلہ شکنی ہی وہ بنیادی عناصر ہیں جو نوخیز ریاستِ مدینہ میں اَمن و اَمان کی ضمانت مہیا کرتے ہیں۔ عدلِ اجتماعی اور مساواتِ انسانی وہ بنیادیں ہیں جو کسی بھی عہدِ کے ماحول و معاشرے کو جرائم سے پاک کرنے میں بنیادی کردار ادا کرسکنے کی پوری استعداد اور صلاحیت رکھتی ہیں۔ دیوار گر جائے تو لوگ صحن سے راستے بنا ہی لیا کرتے ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ اِن میں سب ہی برے بھی ہوں۔ بالفاظ دیگر رکاوٹیں ختم کرنے کا مطلب لوگوں کو مواقع مہیا کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور اگر حفاظتی دیواریں استوار کر دی جائیں تو اِن حالات میں قانون کی پابندی و پاسداری کے سوا کسی کے لیے کوئی اَور راستہ رہ ہی نہیں جاتا۔ اور دستور و قانون کی یہی پابندی و پاسداری اَمن عامہ کی ضمانت بن جاتی ہے۔

---

[10]۔ صلاح الدین یوسف، حواشی بر ترجمۂ قرآن از محمد جوناگڑھی، ریاض، شاہ فہد قرآن پرنٹنگ پریس، ص:299، حاشیہ نمبر دو، بذیل آیۂ کریمہ 33، المائدہ۔

Salahuddin Yusuf, Notes on the translation of the Qur'an by Muhammad Jonah Garhi, Riyadh, Shah Fahad Qur'an Printing Press, p: 299, , Hashia # 2, al-Maida, 33